Open Access

Al-Irfan *(Research Journal of Islamic Studies)*

Published by: *Faculty of Islamic Studies & Shariah*
Minhaj University Lahore

ISSN: *2518-9794 (Print), 2788-4066 (Online)*

Volume 11, Issue 21, Jan-June 2026,

Email: alirfan@mul.edu.pk

العرفان

مذہبی بے رغبتی اور مادہ پرستی: کردار سازی کے لیے نبوی ﷺ منہج

Religious Apathy and Materialism: A Prophetic Approach to Character Development

Raheela Shareef
M.Phil Research Scholar, Department of Islamic Studies, Superior University, Lahore
msislamicstudy79@gmail.com

Hafiz Muhammad Bashir Haidri
PhD Research Scholar, Department of Islamic Studies, Superior University, Lahore
hmbashirhaidri@gmail.com

ABSTRACT

This study examines religious apathy and materialism as major obstacles to personality development in Pakistani society and explores their solutions through the Prophetic (ﷺ) educational methodology. It argues that declining religious commitment reflects a deeper intellectual and ideological crisis shaped by secular influences, weak religious knowledge, and Westernized cultural values, resulting in moral confusion and weakened spiritual identity. The study also identifies materialism as a key factor contributing to ethical decline, social imbalance, and diminished compassion, justice, and social responsibility. Drawing on Islamic teachings and contemporary perspectives, it presents the Prophetic (ﷺ) model of education as a comprehensive framework based on faith, moral discipline, contentment, perseverance, and altruism. The lives of the Companions, particularly Musʿab ibn ʿUmayr (RA) and the Rightly Guided Caliphs, are highlighted as practical examples of character development. The study concludes that restoring religion as the foundation of intellectual and moral life is essential for developing balanced personalities capable of addressing contemporary ideological challenges.

Keywords:

Religious Apathy, Materialism, Prophetic Educational Methodology, Personality Development, Pakistani Society.

مذہب کا معنٰی و مفہوم

لفظ "مذہب" بنیادی طور پر عربی زبان کا لفظ ہے جو "ذھب" مصدر سے اسم ظرفِ مکاں ہے۔ اس سے "ذَھَبَ" (ماضی) اور "یذْھَبُ" (مضارع) بنتا ہے، جس کے معنی "جانا" یا "چلنا" ہیں۔ مذہب کے لغوی معنی "چلنے یا جانے کی جگہ" یا "گزرگاہ" کے ہیں۔ چلنے جانے اور لے جانے کے معنٰی میں ذھب کا لفظ قرآن میں 8 مرتبہ، جبکہ اس مصدر سے مختلف تراکیب 37 مرتبہ آئی ہیں۔ اس کا ایک معنی "سونا" (دھات) بھی ہے، جو قرآن میں 8 مختلف مقامات پر آیا ہے۔(1)

صاحبِ تاج العروس کے مطابق "المذھب" سے مراد وہ عقیدہ (المعتقد) ہے جس کی طرف کوئی جاتا ہے

الْمَذْھَبُ: اَلْمُعْتَقَدُ الَّذِی یُذْھَبُ إِلَیْہ(2)

"مذہب سے مراد وہ عقیدہ ہے جس کی طرف انسان جاتا ہے یا جسے اختیار کرتا ہے۔"

لغوی اعتبار سے مذہب "راستے" یا "سمت" کو کہتے ہیں۔ یہ انسانی شعور کا وہ انتخاب ہے جس کی بنیاد پر وہ اپنی فکری سمت متعین کرتا ہے۔ جب انسان کسی عقیدے کو ذہنی طور پر قبول کر لیتا ہے، تو وہ اس کا "مذہب" بن جاتا ہے۔ یہی لغوی معنی جب انسانی زندگی کے عملی پہلوؤں پر لاگو ہوتے ہیں، تو یہ ایک مکمل نظامِ حیات یا "شاہراہ" کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، جیسا کہ اصطلاحی تعریف میں واضح ہے۔ اصطلاحی طور پر مذہب ایک ایسی گزرگاہ ہے جسے "شاہراہِ حیات" (Lifeline) سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی زندگی گزارنے کا راستہ۔ چونکہ انسانی فکر میں اختلاف رہا ہے، اس لیے مقصدِ زندگی تک پہنچنے کے راستے (مذاہب) بھی مختلف رہے ہیں۔(3)

مذہب محض ایک خشک عقیدہ نہیں بلکہ ایک متحرک راستہ ہے جو انسان کو اس کی منزلِ مقصود تک لے جاتا ہے۔ یہ وہ "گزرگاہ" ہے جو بکھری ہوئی انسانی زندگی کو ایک نظم عطا کرتی ہے۔ چونکہ ہر انسان کا فکری زاویہ الگ ہے، اس لیے یہ شاہراہیں بھی مختلف رہی ہیں۔ اس سماجی اور فکری تنوع کو سمجھنے کے لیے ایمائل ڈرکھائم نے مذہب کو ایک "متحد نظام" کے طور پر دیکھا ہے۔

مغربی مفکرین کی تعریفیں:

مذہب مقدس چیزوں سے متعلق عقائد و اعمال کا ایک متحد نظام ہے جو اپنے ماننے والوں کو ایک اخلاقی برادری (چرچ) میں منسلک کرتا ہے۔ جیسے کہ اس کا کہنا ہے:

"A religion is a unified system of beliefs and practices related to sacred things, that is to say, things set apart and surrounded by prohibitions - belief

and practices that unite its adherents in a single moral community called a church." (4)

مذہب مقدس چیزوں سے متعلق عقائد اور اعمال کا ایک ایسا متحد نظام ہے، یعنی وہ چیزیں جو الگ تھلگ رکھی گئی ہوں اور جن کے گرد پابندیاں ہوں۔ وہ عقائد اور اعمال جو اپنے ماننے والوں کو ایک واحد اخلاقی برادری میں متحد کرتے ہیں جسے چرچ (کلیسا) کہا جاتا ہے۔"

ڈرکھائم مذہب کو صرف انفرادی راستہ نہیں بلکہ ایک "اجتماعی قوت" قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک مذہب کا کمال یہ ہے کہ وہ انسانوں کو "مقدس (Sacred) "اور "غیر مقدس (Profane) "میں تمیز سکھا کر انہیں ایک اخلاقی برادری میں جوڑ دیتا ہے۔

دین کا معنی و مفہوم

لفظ "دین" عربی زبان کا لفظ ہے اور خاص طور پر قرآن حکیم کی ایک جامع اصطلاح ہے جو اسلام کے لیے استعمال ہوتی ہے -لغوی طور پر دین کے معانی صلہ یا بدلہ، حساب، حکم، فیصلہ اور غلبہ و تسلط کے ہیں۔ یہ لفظ اپنے اندر بڑی جامعیت رکھتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ (5)

"اللہ روزِ جزا کا مالک ہے"

عربی زبان میں "دین" ایک کثیر الجہتی لفظ ہے جس کے لغوی معنی صلہ، بدلہ اور تسلط کے ہیں۔ قرآنِ حکیم نے اسے ایک جامع اصطلاح کے طور پر استعمال کیا ہے۔ یہاں "یوم الدین" سے مراد وہ وقت ہے جب کائنات کا حقیقی حاکم ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ یہیں سے دین کا وہ تصور ابھرتا ہے جہاں اقتدارِ اعلیٰ صرف اللہ کے پاس ہے اور انسان اس کے سامنے جوابدہ ہے۔ جزا و سزا کا یہ پہلو شرعی اصطلاح میں مزید واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ المعجم الوسیط میں ہے:

الديان: اسم من اسماء الله، القاضي الحاكم و المجازي بالخير والشر (6)

بدلہ دینے والا: اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم، قاضی، حاکم اور خیر و شر کی جزا دینے والا۔

شرعی اصطلاح میں دین محض ایک عقیدہ نہیں بلکہ جزا و سزا کا ایک خودکار نظام ہے۔ لغتِ عرب میں "الدیان" اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے، جو اس بات کی علامت ہے کہ وہی حاکمِ مطلق اور قاضی ہے۔ جب ہم کسی طرزِ عمل کو "دین" کہتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس راستے پر چلنے کا ایک مخصوص نتیجہ (بدلہ) برآمد ہو گا۔ اسی حاکمیت اور جزا کے

تصور کو سید مودودی نے چار بنیادی ستونوں میں تقسیم کیا ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے دین کے چار بنیادی پہلو بیان کیے ہیں

عزت و سلطنت: اللہ کی بادشاہی اور فرمانروائی۔

اطاعت و بندگی: انسان کا شعوری طور پر اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا

قاعدہ و ضابطہ: وہ طریقہ جس کی پابندی کی جائے۔

حساب و جزا: روزِ قیامت اعمال کے مطابق فیصلہ ہونا (7)

سید مودودی کی یہ تقسیم دین کے عملی ڈھانچے کو واضح کرتی ہے۔ ان کے نزدیک دین ایک ایسی ریاست یا نظام ہے جہاں اقتدار (سلطنت) اللہ کا ہو، بندگی انسان کی ہو، اور اس بندگی کے لیے ایک ضابطہ (قانون) موجود ہو جس پر آخر کار جزا و سزا (حساب) ملے۔ یہ جامعیت ثابت کرتی ہے کہ دین انسانی زندگی کے ہر گوشے پر محیط ہے۔ اسی جامعیت کی بنا پر دین اور مذہب کے درمیان ایک واضح لکیر کھینچی جاسکتی ہے، جیسا کہ اگلی بحث میں مذکور ہے۔

مذہب اور دین میں فرق

مذہب زندگی گزارنے کا ایک راستہ ہے، لیکن یہ زندگی کے تمام نشیب و فراز اور مکمل رہنمائی فراہم نہیں کرتا۔ یہ صرف روحانی اور مابعد الطبیعیاتی پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ مذاہب وہ راستے ہیں جو اسکالرز کی تشریحات سے پیدا ہوئے، اس لیے ان میں انسانی خامی کا امکان موجود ہے جبکہ دین ایک مکمل دستورِ حیات ہے جو زندگی کے جزئیات سے کلیات تک جامع ہدایت فراہم کرتا ہے۔ دین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے اس میں کوئی نقص نہیں۔ پروفیسر ایم اے بٹ دین اور مذہب کا فرق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"دین روزِ اوّل جب آدم علیہ السلام کو اس دنیا میں مبعوث فرمایا گیا، اسلام ہی تھا اور دین وہ نعمتِ عظمیٰ تھی جو اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے خاص بندوں کے ذریعے بنی نوع انسان تک پہنچایا۔ جب کہ مذاہب وہ راستے ہیں جو دین میں مختلف اسکالرز نے تشریح کر کے پیدا کیے۔ چونکہ دینِ اسلام کا خالق اللہ تعالیٰ عزوجل کی ذاتِ مبارکہ ہے، اس لیے اُس میں روزِ اوّل سے آخر تک کوئی جھول ہے اور نہ ہوگا۔ البتہ مذہب میں چونکہ انسانی سوچ دخیل ہے اس لیے خامیوں کے امکان کو کسی طور پر رد نہیں کیا جاسکتا" (8)

یہاں دین اور مذہب کا وہ جوہری فرق سامنے آتا ہے جو علمِ کلام میں نہایت اہم ہے۔ دین (اسلام) ایک الٰہی نعمت ہے جو روزِ اول سے مکمل اور بے عیب نازل ہوئی، جبکہ مذاہب اکثر انسانی افکار، تجربات اور تشریحات کے بطن سے جنم لیتے ہیں۔ پروفیسر بٹ کی یہ تشریح واضح کرتی ہے کہ دین ایک "مکمل دستور (Global System) "ہے،

جبکہ مذہب اس کے اندر موجود ایک محدود راستہ یا محض روحانی پہلو بن کر رہ جاتا ہے۔ دین "کل" ہے اور مذہب اس کا ایک "جزو" ہے۔ اسلام ایک دین ہے، محض مذہب نہیں۔

حدیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں کردار سازی کی مرکزیت

اسلامی تعلیمات کا بنیادی مقصد محض ظاہری رسومات کی ادائیگی نہیں، بلکہ ایک ایسی متوازن اور پاکیزہ شخصیت کی تعمیر ہے جو خالق کے سامنے سرنگوں اور مخلوق کے لیے سراپا رحمت ہو۔ انسانی شخصیت کی اصل خوبصورتی اس کے نسب، مال یا ظاہری وجاہت میں نہیں، بلکہ اس کے "خلق" میں پوشیدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا ایک بڑا مقصد ہی اخلاقِ حسنہ کی تکمیل تھا۔ تعمیرِ شخصیت کے اس عمل میں اخلاق وہ پیمانہ ہے جو انسان کے ایمان کے درجے کا تعین کرتا ہے۔ زیرِ نظر احادیثِ مبارکہ ایک ایسے ہی اخلاقی تسلسل کو بیان کرتی ہیں، جو انسان کی داخلی اصلاح سے شروع ہو کر ابدی کامیابی کی ضمانت تک جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَخْيَرِكُمْ أَحْسَنَكُمْ خُلُقًا (9)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو کہ عادت کے اعتبار سے اچھا ہو۔"

اسلام میں ظاہری عبادات کے ساتھ ساتھ باطنی اصلاح کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ مومن کے "بہترین" ہونے کا معیار اس کا بلند مرتبہ یا دولت نہیں، بلکہ اس کا اخلاق ہے۔ جب انسان اپنے اخلاق کو سنوار لیتا ہے، تو وہ معاشرے کے لیے نفع بخش بن جاتا ہے۔ یہی حسنِ اخلاق صرف دنیاوی تعریف کا ذریعہ نہیں، بلکہ آخرت میں کامیابی کی ضمانت بھی ہے، جیسا کہ اگلی حدیث میں اس کے وزن کا ذکر ہے:

مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ (10)

"میزانِ عمل میں حسنِ اخلاق سے زیادہ بھاری چیز کوئی نہیں۔"

پہلی حدیث میں اخلاق کو "بہترین انسان" کی علامت قرار دیا گیا، تو یہاں اس کی "وزنی قدر" بیان کی گئی ہے۔ قیامت کے دن جب اعمال تولے جائیں گے، تو اچھے اخلاق کا پلڑا سب سے زیادہ وزنی ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق محض ایک سماجی رویہ نہیں بلکہ ایک عظیم عبادت ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اخلاق اور نیکی کی پہچان کیا ہے؟ اس کا جواب ہمیں تیسری حدیث میں ملتا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ (11)

"نیکی عمدہ اخلاق ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تم لوگوں کا اس سے مطلع ہونا پسند نہ کرو۔"

جب انسان یہ جان لیتا ہے کہ اخلاق ہی میزان میں سب سے بھاری ہے، تو اسے نیکی اور گناہ کی تمیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے نیکی کو "حسنِ اخلاق" سے تعبیر فرما کر دین کا خلاصہ کر دیا۔ یعنی ہر وہ عمل جو آپ کے ضمیر کو مطمئن رکھے اور جسے آپ دوسروں کے سامنے فخر سے کر سکیں، وہ نیکی ہے۔ اس کے برعکس، ضمیر کی خلش گناہ کی نشانی ہے۔ اس ضمیر کو بیدار رکھنے اور گناہ سے بچانے کے لیے جو بنیادی صفت درکار ہے، وہ "حیاء" ہے، جس کا ذکر آخری حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

لِكُلِّ دِينٍ خُلُقٍ وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ (12)

"ہر دین کا ایک خلق ہے اور اسلام کا خلق حیاء ہے۔"

عمارت جس بنیاد پر کھڑی ہے، وہ "حیاء" ہے۔ حیاء وہ ڈھال ہے جو انسان کو ان کاموں سے روکتی ہے جو "دل میں کھٹکتے" ہیں۔ اگر حیاء ختم ہو جائے تو حسنِ اخلاق کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اسے اسلام کا مخصوص اور بنیادی وصف قرار دیا گیا۔ گویا حیاء ہو گی تو ضمیر بیدار رہے گا، ضمیر بیدار ہو گا تو اخلاق سنورے گا، اور جب اخلاق سنورے گا تو انسان میزانِ الٰہی میں سرخرو ہو کر "بہترین" قرار پائے گا۔ مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہے کہ اسلامی شخصیت کی تعمیر کا آغاز "حیاء " سے ہوتا ہے۔ حیاء وہ بنیاد ہے جو انسانی ضمیر کو بیدار رکھتی ہے اور نیکی و بدی میں تمیز کرنا سکھاتی ہے۔ جب انسان کا باطن (ضمیر) پاکیزہ ہو جائے تو اس کا ظاہر (اخلاق) خود بخود سنور جاتا ہے، اور یہی "حسنِ اخلاق " اسے دنیا میں "بہترین انسان" کے درجے پر فائز کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حیاء سے شروع ہونے والا یہ اخلاقی سفر، شخصیت کو نکھارتے ہوئے آخرت میں "میزانِ عمل " کا سب سے وزنی سرمایہ بن جاتا ہے۔ ایک سچے مومن کا کمال یہی ہے کہ اس کا کردار دوسروں کے لیے راحت اور اللہ کی رضا کے حصول کا ذریعہ بنے۔

دین بیزاری کا نبوی ﷺ اسلوبِ تربیت کی روشنی میں تدارک

پاکستانی معاشرت میں تعمیرِ شخصیت کے عمل کو درپیش مسائل میں سب سے بنیادی اور گہرا مسئلہ دین سے دوری ہے۔ یہ دوری محض عبادات کی عدم پابندی یا مذہبی غفلت تک محدود نہیں، بلکہ ایک تدریجی فکری و عملی انحراف (Gradual Ideological Alienation) کی صورت اختیار کر چکی ہے جو فرد کی سوچ، ترجیحات، اخلاقی فیصلوں اور مقصدِ حیات کو براہِ راست متاثر کرتی ہے۔ ڈاکٹر ساجدہ محمد جمیل قریشی، عدیل الحسن الطاف، اور سحر اللہ بخش کی مشترکہ تحقیق ہے۔ ان کا کہنا ہے:

"آج کے مسلم معاشرے میں اسلام کی صحیح معلومات کا فقدان ایک اہم مسئلہ بن چکا ہے۔ جو لادینیت کے پھیلاؤ کی ایک بڑی وجہ ہے۔ بہت سے نوجوان، جو جدید تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، اسلامی تعلیمات اور عقائد کی بنیادی معلومات سے ناواقف ہیں۔(13)

تعلیمی اداروں اور مدارس کے اس فکری خلانے نوجوان نسل کو ایک ایسی ذہنی پستی میں دھکیل دیا ہے جہاں وہ ہر نئے نظریے کو بغیر کسی تنقیدی شعور کے قبول کرنے لگے ہیں۔ جب ذہن اسلامی تعلیمات کی مثبت اور تعمیراتی روح سے خالی ہوتا ہے، تو وہاں الحاد کے منفی اور تخریبی نظریات اپنی جگہ بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مذہب کی عدم موجودگی محض ایک 'خلا' نہیں رہتی بلکہ ایک ایسی 'تخریب' کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس کا نقشہ محمد فاروق خان نے کھینچا ہے۔ محمد فاروق خان اپنی کتاب ''مادیت اور روحانیت '' میں لامذہبیت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" لامذہبیت اپنی ذات کے اعتبار سے بالکل ایک تخریبی چیز ہے۔ خدا کا انکار، روح کا انکار اور کائنات کی غرض و غایت کا انکار، انھیں چند انکاروں پر اس کی پوری عمارت قائم ہے۔"(14)

لادینیت کوئی متبادل تعمیراتی نظام نہیں بلکہ صرف ایک 'انکار' کا نام ہے جو انسان کو اخلاقی اور روحانی طور پر مفلوج کر دیتا ہے۔ مسلم معاشروں میں اس فکری تبدیلی کا عملی اظہار ہمیں ان کی اشرافیہ کے طرزِ عمل میں نظر آتا ہے، جیسا کہ مبشر نذیر نے اشارہ کیا ہے۔:

"مسلمانوں کی اشرافیہ (Elite) کی اکثریت نے اہل مغرب اور ان کے الحاد کو کلی یا جزوی طور پر قبول کر لیا۔ اگرچہ اپنے نام اور بنیادی عقائد کی حد تک وہ مسلمان ہی تھے لیکن اپنی اجتماعی زندگی میں وہ الحاد اور لادینیت کا نمونہ تھے"(15)

جب مسلم معاشرے کی قیادت اور مقتدر طبقہ عملی طور پر الحاد کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیتا ہے، تو عوام میں مذہب کی ساکھ کمزور پڑنے لگتی ہے۔ تاہم خورشید اپنی تحریر میں مذہب بیزاری کی وجوہات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"گلیلیو کی کہانی نے بتایا ہے کہ اہلِ مذہب جب اپنی حدود سے تجاوز کرتے اور مذہب کا مقدمہ غلط بنیادوں پر پیش کرتے ہیں تو اس سے مذہب کو ناقابلِ تلافی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔(16)

اہلِ مذہب کی اس غلط بیانی اور اشرافیہ کی عملی بے راہ روی نے مل کر ایک ایسا سماجی ماحول تشکیل دیا جہاں مذہب زندگی کی بنیادی حقیقت (Axiom) کے بجائے محض ایک اضافی انتخاب بن گیا۔ یہی وہ تاریخی موڑ ہے جہاں سے 'سیکولر عہد' کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی تناظر میں چارلس ٹیلر (Charles Taylor) اپنی معرکتہ الآرا تصنیف (A Secular Age) ایک سیکولر عہد میں جدید دنیا کے بدلتے ہوئے مذہبی منظرنامے کا تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ ان کا بنیادی مفروضہ یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں مذہب اپنی فکری اور سماجی مرکزیت کھو چکا ہے؛ اب یہ ایک ایسی "سیکولر فضا" میں

سانس لے رہا ہے جہاں خدا پر یقین رکھنا زندگی کا لازمی جزو نہیں رہا، بلکہ یہ محض ایک انفرادی انتخاب (Personal Choice)بن کر رہ گیا ہے، جس کی وجہ سے ایمانی روایات کی بنیادیں کمزور پڑ رہی ہیں۔

"The change I want to define and trace is one which takes us from a society in which it was virtually impossible not to believe in God, to one in which faith, even for the staunchest believer, is one human possibility among others... Belief in God is no longer axiomatic. There are alternatives."(17)

"جس تبدیلی کی میں تعریف اور سراغ لگانا چاہتا ہوں وہ وہ ہے جو ہمیں ایک ایسے معاشرے سے نکال کر دوسرے معاشرے میں لے جاتی ہے جہاں خدا پر یقین نہ رکھنا تقریباً ناممکن تھا، ایک ایسے معاشرے کی طرف جہاں ایمان، ایک راسخ العقیدہ مومن کے لیے بھی، دیگر انسانی امکانات میں سے محض ایک امکان بن کر رہ گیا ہے۔ اب خدا پر یقین رکھنا کوئی ایسی آفاقی سچائی نہیں رہی جسے ہر کوئی بلا دلیل تسلیم کر لے، بلکہ اب اس کے متبادلات موجود ہیں۔"

یہ تمام آراء اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ جدید مسلم معاشرے میں مذہب بیزاری کا حل محض روایتی وعظ میں نہیں، بلکہ جدید عقلی تقاضوں کے مطابق دین کی صحیح تفہیم اور اس کے عملی نمونے پیش کرنے میں ہے۔ یہ مذہبی غفلت مذہب بیزاری (Religious Apathy) کی صورت اختیار کر لیتی ہے، جہاں دین کو ایک بوجھ، قدامت پسند روایت یا ترقی کی راہ میں رکاوٹ کے طور پر دیکھا جانے لگتا ہے۔ اس مرحلے میں مذہب اور جدید علم کے درمیان ایک مصنوعی تصادم پیدا کیا جاتا ہے جس سے نوجوان فکری تشکیک (Intellectual Skepticism) کا شکار ہو جاتا ہے۔ مذکورہ بالا تحقیقات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جدید دور میں "دین سے دوری" محض ایک اخلاقی مسئلہ نہیں بلکہ ایک گہرا فکری بحران ہے، جسے چارلس ٹیلر نے "سیکولر فضا" سے تعبیر کیا ہے۔ پاکستانی جامعات اور اشرافیہ میں الحاد و لادینیت کے پھیلاؤ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مذہب کو ایک "آفاقی حقیقت" کے بجائے "انفرادی انتخاب" بنا دیا گیا ہے، جس سے شخصیت کی فکری مرکزیت (Intellectual Centrality) منتشر ہو گئی ہے۔ تعمیرِ شخصیت میں حائل ان رکاوٹوں یعنی فکری تشکیک، علمی فقدان، اور مغربی تہذیبی غلبہ کا مؤثر تدارک صرف ان نبوی ﷺ اصولوں میں ممکن ہے جو ایمان کو محض ایک نظریہ نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت اور مکمل ضابطۂ حیات بنا کر پیش کرتے ہیں۔

تعمیرِ شخصیت میں حائل فکری و اخلاقی بحران کا حل ان احادیثِ مبارکہ میں پنہاں ہے جو یقین کی پختگی، علم کی اہمیت اور کردار کی استواری پر زور دیتی ہیں۔ چارلس ٹیلر کے بیان کردہ "متبادل امکانات" کے ہجوم میں شخصیت کو بکھرنے سے بچانے کے لیے پہلا نبوی ﷺ اصول "ایمان کی حلاوت" اور فکری یکسوئی ہے۔ جب ایمان محض ایک انتخاب کے بجائے قلبی یقین بن جائے تو شخصیت الحاد کی لہروں سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ: أَنْ يَكُونَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا.(18)

"تین صفات ایسی ہیں کہ جس میں وہ پائی جائیں گی اس نے ایمان کی مٹھاس پالی: (پہلی یہ کہ) اللہ اور اس کا رسول اسے تمام جہان سے زیادہ محبوب ہوں..."

پاکستانی جامعات میں لادینیت کے پھیلاؤ کی بڑی وجہ "علمی خلا" ہے۔ آپ ﷺ نے شخصیت کی تعمیر کے لیے ایسے علم کی دعا سکھائی جو فکری تشکیک کو ختم کرے اور انسان کو بے مقصد نظریات سے بچائے۔

جدید دور میں جب مذہب کو ایک "کمزور انتخاب"(Fragile Option) بنادیا گیا ہے، تو آپ ﷺ نے شخصیت کو مضبوط بنانے کے لیے 'استقامت' کی تعلیم دی تاکہ فرد سماجی دباؤ میں اپنا راستہ نہ بدلے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

قُلْ: آمَنْتُ بِاللهِ، فَاسْتَقِمْ(19)

"تم کہو: میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر ڈٹ جاؤ (استقامت اختیار کرو)۔"

تعمیرِ شخصیت میں دین کی اہمیت محض ایک ضابطے کی نہیں بلکہ ایک فکری اساس کی ہے جو فرد کو بے سمتی سے بچاتی ہے۔ نبوی ﷺ اصولوں کی روشنی میں دین سے دوری یا بیزاری کا تدارک اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مذہب کو ایک 'بوجھل بوجھ' یا 'محض ایک انتخاب' کے بجائے 'قلبی وابستگی' اور 'فکری استقامت' کا محور نہ بنالیا جائے۔ پاکستانی معاشرت میں تعمیرِ شخصیت کے رستے میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ "دین بیزاری" ہے، جو دراصل چارلس ٹیلر کے بقول مذہب کو محض ایک "اختیاری متبادل" سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ نبوی ﷺ اصول اس فکری بحران کا حل "علمی استدلال" اور "قلبی وابستگی" کے امتزاج سے کرتے ہیں۔ جب ایک طالب علم "ایمان کی حلاوت" کو اپنی زندگی کے تجربات میں محسوس کرتا ہے اور "استقامت" کو اپنا شعار بناتا ہے، تو مذہب محض ایک بوجھل روایت نہیں رہتا بلکہ شخصیت کا فکری محور بن جاتا ہے۔ یہ اصول فرد کو جدید الحادی لہروں کے سامنے ایک مضبوط چٹان کی طرح کھڑا کر دیتے ہیں، جہاں وہ سماجی دباؤ میں اپنا راستہ بدلنے کے بجائے اپنے نظریات پر فکری یقین کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ دین بیزاری اور مادی ترغیبات کے مقابلے میں فکری استقامت کی سب سے بہترین مثال حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، جنہوں نے جدید دور کے نوجوانوں کی طرح مادی آسائشوں اور نظریاتی تبدیلی کے درمیان ایک فیصلہ کن انتخاب کیا۔ جیسا کہ مستدرک کی روایت ہے:

حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَبْدَرِيُّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: «كَانَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ فَتَى مَكَّةَ شَبَابًا وَجَمَالًا، وَكَانَ أَبَوَاهُ يُحِبَّانِهِ، وَكَانَتْ أُمُّهُ تَكْسُوهُ أَحْسَنَ مَا يَكُونُ مِنَ الثِّيَابِ وَأَرَقَّهُ، وَكَانَ أَعْطَرَ أَهْلِ مَكَّةَ، وَكَانَ رَسُولُ

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُهُ وَيَقُولُ: مَا رَأَيْتُ بِمَكَّةَ أَحْسَنَ لِمَّةً، وَلَا أَرَقَّ حُلَّةً، وَلَا أَنْعَمَ نِعْمَةً مِنْ مُصْعَبِ بْنِ عُمَيْرٍ(20)

حضرت ابراہیم بن محمد العبدری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مکہ کے سب سے زیادہ حسین اور پرکشش نوجوان تھے۔ ان کے والدین ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور ان کی والدہ انہیں مکہ کے بہترین اور نفیس ترین لباس پہنایا کرتی تھیں۔ وہ مکہ میں سب سے زیادہ خوشبو استعمال کرنے والے شخص تھے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے: "میں نے مکہ میں مصعب بن عمیر سے زیادہ خوبصورت زلفوں والا، اس سے زیادہ نفیس لباس پہننے والا اور اس سے زیادہ نعمتوں میں پلا بڑھا کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔"

مکہ کے امیر ترین نوجوان مصعب بن عمیرؓ جب اسلام لائے تو ان کے سامنے بھی "متبادل امکانات" اور دنیوی آسائشیں موجود تھیں۔ ان کی والدہ نے ان کے سامنے مادی انتخاب رکھا، لیکن نبوی ﷺ کی تربیت نے ان کی شخصیت کو اس قدر مرکزیت عطا کی کہ انہوں نے "سیکولر آسائش" پر "ایمانی حقیقت" کو ترجیح دی۔ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ نبوی ﷺ منہجِ تربیت شخصیت کو بیرونی اثرات سے آزاد کر دیتا ہے۔

موجودہ دور میں پاکستانی معاشرت، بالخصوص جامعات کے علمی حلقوں میں "دین بیزاری" محض ایک اتفاقی لہر نہیں بلکہ اس "سیکولر فضا" کا شاخسانہ ہے جہاں مذہب کو ایک آفاقی حقیقت کے بجائے محض ایک کمزور "اختیاری متبادل (Fragile Option)" بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ جب مذہب زندگی کے مرکز سے ہٹ کر حاشیے پر چلا جاتا ہے، تو شخصیت کی فکری مرکزیت (Intellectual Centrality) بکھر جاتی ہے، جس کا نتیجہ الحاد اور لادینیت کی صورت میں نکلتا ہے۔

اس ہمہ گیر فکری بحران کا پائیدار تدارک صرف اس جامع نبوی ﷺ منہجِ تربیت سے ممکن ہے جس نے صحابہ کرامؓ جیسی جماعت تیار کی۔ جیسے سب سے پہلے ایمان کی پختگی پر محنت کی گئی۔ ایمان کی حلاوت دن میں بٹھائی گئی۔ نبوی ﷺ اسلوب نے ایمان کو محض خشک نظریے سے نکال کر ایک زندہ قلبی تجربہ بنا دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس نے اللہ اور اس کے رسول کو سب سے زیادہ محبوب رکھا، اس نے ایمان کی حلاوت پالی"، تو دراصل آپ ﷺ نے فرد کو وہ باطنی قوت عطا کی جو اسے خارجی مادی ترغیبات اور سماجی دباؤ سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

چارلس ٹیلر کے بیان کردہ "متبادل امکانات کے ہجوم" میں شخصیت کو بکھرنے سے بچانے کا نبوی ﷺ اصول "استقامت" ہے۔ حدیثِ «قُلْ آمَنْتُ بِاللهِ فَاسْتَقِمْ» اس بات کی ضمانت ہے کہ جب ایمان مرکزِ شخصیت بن جائے، تو فرد حالات کے جبر اور فکری یلغار کے سامنے ایک مضبوط چٹان کی طرح کھڑا رہتا ہے۔ اس نبوی ﷺ منہجِ تربیت کا عملی ظہور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں ہوا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کا مکہ کی خوشحالی کو ٹھکرا کر فقر و فاقہ اور شہادت (مختصر کفن)

کو گلے لگانا کسی جذباتی لہر کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ اس تدریجی باطنی تشکیل (Inner Transformation) کا ثمر تھا جس نے انہیں مادی غلامی سے نکال کر رضائے الٰہی کے محور پر استوار کر دیا تھا۔ آج کے دور میں دین بیزاری کا تدارک تبھی ممکن ہے جب ہم مذہب کو ایک "بوجھل روایت" کے بجائے "فکری مرکزیت" اور "نبوی ﷺ منہجِ تربیت" کے طور پر از سرِ نو متعارف کروائیں، جو نوجوانوں کو علمی یقین اور قلبی سکون دونوں فراہم کر سکے۔

مادہ پرستی "کا سیرت نبوی ﷺ سے تدارک

پاکستانی معاشرے میں مادہ پرستی اور خود غرضی شخصیت کی مثبت تعمیر میں اہم رکاوٹیں ہیں۔ جب افراد صرف دنیاوی دولت اور ذاتی مفاد کے پیچھے لگ جاتے ہیں تو وہ اخلاقی، سماجی اور روحانی اقدار سے دور ہو جاتے ہیں، جس سے معاشرتی ہم آہنگی متاثر ہوتی ہے اور اعتماد، ہمدردی اور اجتماعی ذمہ داری کمزور ہو جاتی ہے۔ محمد وسیم خان اور محبوب الرحمن اس مقالے " امت مسلمہ کے زوال میں مادیت پرستی کا حصہ: تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ "میں لکھتے ہیں

"مادیت پرستی کے باعث افراد اور معاشرے دینِ اسلام کی روحانی اور اخلاقی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں۔ دنیاوی خواہشات کو مقدم رکھ کر لوگ عبادات، امانت داری، صدق، اور عدل جیسے بنیادی اسلامی اصولوں کو نظر انداز کرنے لگے ہیں، جو امت کی اجتماعی قوت کو کمزور کرتا ہے۔"(21)

مادیت پرستی کا یہی رجحان جب معاشی نظام پر غالب آتا ہے تو وہ انسانی رشتوں سے ہمدردی اور تعاون کی روح چھین لیتا ہے،۔اسی انداز میں سید ابو الاعلیٰ مودودی کی کتاب اسلام اور جدید معاشی نظریات (لاہور: ترجمان القرآن، 1975)میں مادہ پرستی کی مذمت اور اخلاقی زوال پر بحث کی ہے ان کا کہنا ہے:

"جدید سرمایہ داری کی ان بنیادوں پر جو نیا معاشرہ وجود میں آیا وہ ہمدردی، تعاون، رحم، شفقت اور اس نوع کے تمام جذبات سے عاری اور اس کے برعکس صفات سے لبریز تھا۔اس نظام میں غیر تو غیر، بھائی پر بھائی کا یہ حق نہ رہا کہ وہ اسے سہارا دے"(22)

معاشی نظام کی یہ سنگدلی فرد کی نفسیات کو اس حد تک متاثر کرتی ہے کہ وہ ہر چیز، یہاں تک کہ انسانی وجود کو بھی محض ایک 'ملکیت' یا 'جائیداد' کے طور پر دیکھنے لگتا ہے۔ایرچ فروم (Erich Fromm) اپنی شہرہ آفاق کتاب "To Have or to Be?"میں مادیت پرستی کے منفی اثرات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"In the having mode of existence, my relationship to the world is one of possessing and owning, one in which I want to make everybody and everything, including myself, my property."(23)

"وجود کے مالکانہ طرز میں، دنیا کے ساتھ میرا تعلق قبضے اور ملکیت کا ہوتا ہے؛ یہ ایک ایسا تعلق ہے جس میں، میں خود سمیت ہر شخص اور ہر چیز کو اپنی جائیداد بنا لینا چاہتا ہو۔"

قبضے اور ملکیت کی یہی دوڑ مغربی مادی تہذیب کے سائے میں پروان چڑھتی ہے، جو انسانی زندگی میں سکون کی جگہ ڈپریشن اور باہمی رشتوں میں زہر گھول دیتی ہے۔ محمد موسیٰ بھٹو کی کتاب ''مادیت کی دلدل اور بچاؤ کی تدابیر (بندۂ مومن کے احساسات و تفکرات کے حوالے سے) ''میں عصرِ حاضر پر غالب مغربی مادی تہذیب کے اثرات کا سنجیدہ اور دردمندانہ تجزیہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اس تہذیب کے منفی پہلو ایسے ہیں، جس نے انسانوں کی زندگیوں کو زہرناک بنا دیا ہے۔ ان منفی پہلوؤں میں باہمی محبت، شفقت، ایک دوسرے کے کام آنے کے جذبات کو مدھم کرنا شامل ہے۔ اس تہذیب نے رشتوں کے تقدس کو ختم کر دیا ہے، دولت کو سب سے بڑے معبود کی صورت دے کر، اس کی پرستش کے رجحانات میں اضافہ کر دیا ہے۔ عزت و توقیر کے معیار شرافت، تقویٰ، دینداری وغیرہ کو ختم کر کے، دولت اور مادی شان و شوکت ہی کو عزت کا معیار بنا دیا ہے، قلبی سکون کی نعمتِ عظمیٰ کو سلب کر دیا ہے۔ ڈپریشن کے مرض میں ہولناک حد تک اضافہ کر دیا ہے۔ افراد کو خود اعتمادی کے بحران سے دوچار کر دیا ہے۔ مالداروں کو احساسِ برتری اور غریبوں کو احساسِ کمتری کے امراض میں مبتلا کر دیا ہے۔ افراد کو پاکیزہ اخلاقی و روحانی قدروں سے بے بہرہ کر دیا ہے۔"(24)

درحقیقت مادیت پرستی اپنی فطرت میں ایک 'تخریبی فکر' ہے کیونکہ یہ زندگی کے ان اعلیٰ روحانی مقاصد کا انکار کرتی ہے جن پر انسانیت کی حقیقی عمارت قائم ہے۔ محمد فاروق خان اپنی کتاب ''مادیت اور روحانیت '' میں مادیت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مادیت (MATERIALISM) اور لامذہبیت اپنی ذات کے اعتبار سے بالکل ایک تخریبی چیز ہے۔ خدا کا انکار، روح کا انکار اور کائنات کی غرض و غایت کا انکار، انھیں چند انکاروں پر اس کی پوری عمارت قائم ہے۔ مادیت کو کوئی اثباتی وایجابی (POSITIVE) حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اس لیے انسانی زندگی کی تعمیر و تشکیل میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ جوزف وو کرچ نے اپنے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ مذہبی خیالات سے دست بردار ہوا تو اسے نہ صرف ذہنی کوفت اور روحانی کرب کا سامنا کرنا پڑا بلکہ اخلاقیات کے بارے میں تو اسے بالکل مایوس ہو جانا پڑا۔"(25)

مادیت کے اس فکری حملے کے سامنے تاریخِ انسانی کا سب سے بڑا دفاع وہ 'ایمانی قوت' ہے جس نے ہر دور میں مادی مفادات پر حق و صداقت کو ترجیح دی، جس کی بہترین مثال سورہ کہف کے قصوں میں ملتی ہے۔ کتاب "معرکہ ایمان و مادیت" میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

سورہ کہف کے چار قصوں میں سے یہ لازوال قصہ ختم ہوتا ہے جس میں ایمان اور مادیت کی کشمکش بیان کی گئی ہے۔ان ایماندار اور سچے نوجوانوں نے مادیت پر ایمان کو ترجیح دی، فوری نفع اور نقد فائدہ پر آخرت کے وعدہ کو مقدم رکھا، انھوں نے ایمان کے ساتھ غربت و افلاس کی زندگی کو پسند کیا، لیکن کفر کے ساتھ دولت و امارت کی زندگی گوارانہ کی، انھوں نے اس کو ترجیح دی کہ وطن، اہل و عیال، اور دوست احباب سے دور رہیں اور زندگی کی ہر لذت اور اقتدار کی ہر عزت سے محروم رہیں، لیکن اس کو ایک لمحہ کے لیے گوارانہ کیا کہ شرک سے اپنی پیشانی کو داغدار کریں، نفس کے بندے اور خواہشات کے پرستار بنیں۔"(26)

جب معاشرہ اس ایمانی بصیرت کو کھو دیتا ہے، تو انسان دنیاوی مرغوبات کی چکا چوند میں اندھا ہو کر اپنے حقیقی مقصد اور باطنی چین سے محروم ہو جاتا ہے۔ محب اللہ قاسمی اپنے مضمون "مادہ پرستی کے اثرات ہمارے اخلاق پر "مادیت کے منفی اثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"مادیت کے غلبے نے انسان کو اندھا، گونگا، بہرہ بنادیا ہے۔آنکھوں کو خیرہ کردینے والی مرغوباتِ دنیا نے مادیت پرستی میں ایسا اضافہ کیا ہے کہ انسان اپنا چین و سکون کھو بیٹھا ہے،اس کے پاس نہ وقت ہے اور نہ سوچنے کے لیے خالی دماغ! معیار زندگی کو بلند سے بلند کرنے کے خیال نے اسے بے حال اور پر ملال کر دیا ہے۔"(27)

زیرِ مطالعہ تحقیقی، فکری اور تنقیدی مواد سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مادہ پرستی محض مال و دولت کی ہوس نہیں بلکہ ایک تخریبی نظریہ ہے جو انسان کو ہونے (Being) کے بجائے رکھنے (Having) کی مسلسل دوڑ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس فکری انحراف کے نتیجے میں فرد کی ترجیحات بدل جاتی ہیں اور اخلاقی، سماجی اور روحانی اقدار ثانوی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔ یوں ہمدردی، ایثار، تعاون اور رشتوں کا تقدس مجروح ہو جاتا ہے، اور معاشرتی ہم آہنگی بتدریج زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔ محمد وسیم خان اور محبوب الرحمن کے مطابق مادیت پرستی نے افراد اور معاشروں کو اسلام کی روحانی و اخلاقی تعلیمات سے دور کر دیا ہے، جس کے باعث عبادات، امانت داری، صدق اور عدل جیسے بنیادی اسلامی اصول نظر انداز ہونے لگے ہیں، اور امت کی اجتماعی قوت کمزور پڑ گئی ہے۔ اسی تناظر میں سید ابوالاعلیٰ مودودی جدید سرمایہ دارانہ نظام کو ایک ایسے معاشرتی سانچے سے تعبیر کرتے ہیں جو ہمدردی، رحم اور باہمی ذمہ داری سے خالی ہو کر خالص مفاد پرستی کو فروغ دیتا ہے۔ مغربی فکری روایت میں ایرک فروم مادیت کو Having Mode of Existence قرار دیتے ہیں، جہاں انسان کا تعلق دنیا اور انسانوں کے ساتھ ملکیت اور قبضے کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے، حتیٰ کہ انسان خود بھی اپنے آپ کو ایک شے سمجھنے لگتا ہے۔ یہ رویہ شخصیت کی داخلی وحدت اور روحانی توازن کو تباہ کر دیتا ہے۔ محمد موسیٰ بھٹو کے مطابق مغربی مادی تہذیب نے دولت کو معبود، مادی شان و شوکت کو معیارِ عزت، اور رشتوں کو مفاد کی کسوٹی پر پرکھنے کا رواج دیا، جس کے نتیجے میں ذہنی دباؤ (Depression) ، روحانی خلا، خود اعتمادی کا بحران اور اخلاقی زوال عام ہو گیا۔ محمد فاروق

خان مادیت اور لامذہبیت کو فکری طور پر ایک ہی تخریبی زنجیر کی کڑیاں قرار دیتے ہیں، جو خدا، روح اور مقصدِ حیات کے انکار پر قائم ہیں؛اسی لیے انسانی زندگی کی تعمیر و تشکیل میں ان کا کوئی مثبت کردار نہیں۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ایمان اور مادیت کے تصادم کو قرآنی اسلوب میں واضح کرتے ہوئے سورۂ کہف کے واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ایمان کی بقا اسی وقت ممکن ہے جب فوری دنیاوی نفع پر اخروی نفع کو ترجیح دی جائے۔ محب اللہ قاسمی کے مطابق مادیت پرستی نے انسان کو ظاہری چمک دمک میں اس قدر الجھا دیا ہے کہ وہ فکری سکون، اخلاقی بصیرت اور روحانی گہرائی سے محروم ہو چکا ہے۔

نبوی ﷺ منہجِ تربیت کا خلاصہ

تحقیقی و فکری تجزیے سے یہ بات قطعی طور پر سامنے آتی ہے کہ مادہ پرستی اور خود غرضی شخصیت سازی میں ایک ''زہرِ قاتل'' کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ انسان کو اجتماعی مفاد سے کاٹ کر ذاتی نفع کے محدود دائرے میں قید کر دیتی ہے، جس کے نتیجے میں امانت داری، عدل، خدمت اور ذمہ داری جیسے اوصاف مضمحل ہو جاتے ہیں۔ ایسی شخصیت بظاہر کامیاب مگر باطناً بے چین، روحانی طور پر کھوکھلی اور معاشرتی اعتبار سے غیر مؤثر ہوتی ہے۔ چنانچہ تعمیرِ شخصیت کے لیے ناگزیر ہے کہ آخرت کے نفع کو دنیا کے نفع پر ترجیح دی جائے اور روحانی و اخلاقی اقدار کو مادی فوائد پر فوقیت حاصل ہو۔ ایمان، قناعت، ایثار اور اجتماعی خیر کا شعور ہی وہ فکری و اخلاقی بنیادیں ہیں جو مادہ پرستی اور خود غرضی کے اس گہرے بحران سے انسان اور معاشرے کو نجات دے سکتی ہیں۔ سیرتِ طیبہ ﷺ مادہ پرستی کے علاج اور شخصیت میں قناعت و ایثار پیدا کرنے کا سب سے بڑا منبع ہے۔انسان جب دنیا کو اپنی منزلِ مقصود بنا لیتا ہے تو وہ مادہ پرستی کا شکار ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے شخصیت کی تعمیر اس نہج پر کی کہ دنیا محض ایک عارضی قیام گاہ ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ(28)

"دنیا میں ایسے رہو جیسے تم ایک اجنبی ہو یا ایک راستہ پار کرنے والے مسافر۔

یہ حدیث مادہ پرستی کی نفسیاتی رکاوٹ کا بہترین علاج ہے۔ جب انسان خود کو مسافر سمجھتا ہے، تو وہ سامانِ سفر (مادی اشیاء) جمع کرنے کے بجائے منزل (اخلاق و آخرت) پر توجہ دیتا ہے، جس سے اس کی شخصیت میں اعتدال پیدا ہوتا ہے۔ خود غرضی کی بنیاد یہ ہے کہ انسان کبھی سیر نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے اس انسانی کمزوری کی نشاندہی فرما کر اس کا حل "قناعت" میں بتایا۔

لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ (29)

" اگرابنِ آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کی تمنا کرے گا،اور ابنِ آدم کا پیٹ صرف قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے۔"

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ مادہ پرستی ایک ایسی آگ ہے جو مزید مال سے نہیں بلکہ "شکر اور قناعت" سے بجھتی ہے۔ شخصیت سازی کے لیے ضروری ہے کہ انسان حرص کے بجائے موجود پر صابر رہے۔ صحابہ کرامؓ کی تربیت اس انداز میں کی گئی تھی کہ وہ اپنی ضرورت کے باوجود دوسروں کو مقدم رکھتے تھے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (30)

" :اور وہ (اہلِ ایمان) اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ وہ خود فاقہ سے ہوں۔ "

ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے انصار میں سے ایک صحابی (حضرت ابو طلحہؓ) کے پاس اسے بھیجا۔ گھر میں صرف بچوں کے لیے کھانا تھا، مگر ان صحابی اور ان کی اہلیہ نے چراغ بجھا دیا اور خود بھوکے رہے تاکہ مہمان پیٹ بھر کر کھا سکے۔(31) یہ واقعہ مادہ پرستی کے دور میں "اجتماعی مفاد" کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ شخصیت کی اصل خوبصورتی اپنی ضرورت کو قربان کر کے دوسروں کے کام آنے میں ہے، جو خود غرضی کا مکمل خاتمہ کر دیتی ہے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی زندگی مادہ پرستی سے روحانیت کی طرف ہجرت کی عظیم داستان ہے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ مکہ کے امیر ترین نوجوان تھے، جو بیش قیمت لباس پہنتے تھے۔ مگر جب اسلام قبول کیا تو سب کچھ قربان کر دیا، یہاں تک کہ جب غزوہ احد میں شہید ہوئے تو کفن کے لیے ایک چھوٹی چادر تھی جو سر ڈھانپتی تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھانپتی تو سر کھل جاتا۔ عربی عبارت (حضرت خباب بن ارتؓ کی روایت) :

إِنَّ مُصْعَبَ بْنَ عُمَيْرٍ قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ إِلَّا نَمِرَةٌ، كُنَّا إِذَا غَطَّيْنَا رَأْسَهُ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ (32)

"بے شک مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) احد کے دن شہید کیے گئے اور (کفن کے لیے) ان کے پاس صرف ایک دھاری دار چھوٹی چادر تھی، (جس کا حال یہ تھا کہ) جب ہم اس سے ان کا سر ڈھانپتے تو ان کے پاؤں کھل جاتے تھے۔"

یہ واقعہ شخصیت کی اس تبدیلی کو ظاہر کرتا ہے جہاں مادی آسائشیں ایمان کے سامنے ہیچ ہو جاتی ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لیے سبق ہے جو دولت کو ہی عزت کا معیار سمجھتے ہیں۔

خادم اور مخدوم کے فرق کا خاتمہ

مادہ پرستی معاشرے میں طبقاتی تقسیم پیدا کرتی ہے، جبکہ سیرتِ نبوی ﷺ نے انسانیت کی برابری سکھائی۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

هُمْ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ (33)

"وہ (تمہارے خادم) تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے ماتحت کر دیا، پس جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو، اسے چاہیے کہ وہی کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے۔"

مادہ پرستی کا ایک بڑا نقصان "احساسِ برتری" ہے۔ یہ حدیث شخصیت میں عاجزی پیدا کرتی ہے اور امیر و غریب کے درمیان اس خلیج کو پاٹتی ہے جو خود غرضی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے واضح فرمایا کہ امت کے لیے سب سے بڑا فتنہ مال و دولت کی کثرت اور اس کی محبت ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ (34)

"بے شک ہر امت کے لیے ایک فتنہ (آزمائش) ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔"

یہ حدیث مادیت پرستی کی رکاوٹ کو جڑ سے کاٹتی ہے۔ جب انسان یہ جان لیتا ہے کہ مال محض ایک آزمائش ہے، تو وہ اسے شخصیت پر حاوی کرنے کے بجائے اسے ایک ضرورت کے طور پر برتتا ہے اور خود غرضی سے بچ جاتا ہے۔ شخصیت سازی میں سکون کا حصول مادی اشیاء سے نہیں بلکہ باطنی اطمینان سے وابستہ ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ (35)

"امیر ہونا سامان کی کثرت کا نام نہیں، بلکہ اصل امیری (غنا) تو دل کی امیری (نفس کا غنی ہونا) ہے۔"

یہ حدیث مادہ پرستی کا بہترین نفسیاتی حل ہے۔ جو شخص مادی لحاظ سے کم مگر قلبی طور پر غنی ہوتا ہے، اس کی شخصیت میں حسد، کینہ اور خود غرضی نہیں ہوتی، بلکہ وہ دوسروں کے لیے نفع بخش بن جاتا ہے۔ اسلامی شخصیت کی تعمیر اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک انسان اپنی ذات کے حصار سے نکل کر دوسروں کا بھلا نہ چاہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ (36)

"تم میں سے کوئی اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"

خود غرضی کی رکاوٹ کو دور کرنے کا یہ سب سے موثر فارمولا ہے۔ یہ اصول شخصیت میں "ہمدردی" اور "تعاون" پیدا کرتا ہے، جو مادی معاشرے کی بے حسی کا علاج ہے۔

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ: ایثارِ کامل

شخصیت سازی میں مادہ پرستی کی سب سے بڑی رکاوٹ "مال کی محبت" ہے۔ صدیقِ اکبرؓ نے ثابت کیا کہ جب مقصد عظیم ہو تو مادی اشیاء کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر جب مالی قربانی کی ضرورت پڑی تو آپؓ نے اپنے گھر کا کل اثاثہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

أَتَى أَبُو بَكْرٍ بِكُلِّ مَا عِنْدَهُ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ» قَالَ: أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللهَ وَرَسُولَهُ(37)

"ابو بکرؓ اپنا سب کچھ لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ انہوں نے عرض کیا: میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول (کی محبت) کو چھوڑا ہے۔"

یہ عمل مادہ پرستی کے اس تصور کو پاش پاش کرتا ہے کہ دولت ہی تحفظ کا ذریعہ ہے۔ شخصیت میں توکل اور ایثار کا یہ درجہ خود غرضی کو جڑ سے ختم کر دیتا ہے۔

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ: سادگی اور احتسابِ نفس

اقتدار اور مال اکثر شخصیت میں تکبر پیدا کرتے ہیں۔ فاروقِ اعظمؓ نے خلافت کے باوجود مادی آسائشوں کو ٹھکرا کر سادگی کی مثال قائم کی۔

جب آپؓ بیت المقدس کی چابی لینے تشریف لے گئے، تو آپ کے لباس پر کئی پیوند تھے اور سواری پر باری باری اپنے غلام کے ساتھ بیٹھ رہے تھے۔

إِنَّا كُنَّا أَذَلَّ قَوْمٍ فَأَعَزَّنَا اللهُ بِالْإِسْلَامِ، فَمَهْمَا نَطْلُبُ الْعِزَّ بِغَيْرِ مَا أَعَزَّنَا اللهُ بِهِ أَذَلَّنَا اللهُ(38)

"ہم ایک ذلیل قوم تھے، اللہ نے ہمیں اسلام کے ذریعے عزت دی۔ اب اگر ہم اس (اسلام) کے علاوہ کسی اور چیز (مادیت) میں عزت ڈھونڈیں گے تو اللہ ہمیں دوبارہ ذلیل کر دے گا۔"

یہ قول مادہ پرستی کی اس سماجی رکاوٹ کا حل ہے جہاں "عزت" کا معیار دولت کو سمجھا جاتا ہے۔ آپؓ نے واضح کیا کہ شخصیت کی اصل عزت تقویٰ اور ایمان میں ہے، مادی شان و شوکت میں نہیں۔

خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ: سخاوت اور حیاء

آپؓ "غنی" ہونے کے باوجود مادیت کی دلدل سے کوسوں دور تھے۔ آپؓ نے اپنا مال انفرادی عیش کے بجائے اجتماعی فلاح کے لیے وقف کیا۔

واقعہ (بئرِ رومہ) : مدینہ میں پانی کی قلت ہوئی تو آپؓ نے ایک یہودی سے کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

مَنْ حَفَرَ بِئْرَ رُومَةَ فَلَهُ الجَنَّةُ، فَحَفَرَهَا عُثْمَانُ (39)

" :(نبی ﷺ نے فرمایا:) جو شخص بئرِ رومہ کھودے (خریدے) اس کے لیے جنت ہے۔ پس عثمانؓ نے اسے (خرید کر وقف) کر دیا۔ "

یہ عمل ثابت کرتا ہے کہ سرمایہ دار ہونا برا نہیں، بلکہ سرمائے کا "خود غرضی" کے لیے استعمال برا ہے۔ شخصیت میں سخاوت کا یہ رنگ معاشرتی ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔

.خلیفہ چہارم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: زہد اور فقرِ اختیاری

حضرت علیؓ کی زندگی مادہ پرستی کے خلاف ایک مضبوط ڈھال تھی۔ آپؓ نے خلافت کے دور میں بھی جو کی روٹی اور سادہ زندگی کو ترجیح دی۔ حضرت علیؓ کی شخصیت مادہ پرستی کی ہر دیوار کو گرا دینے والی تھی۔ آپؓ کی زندگی کا یہ منظر، جو آپ کے شاگرد ضرار نے امیرِ معاویہؓ کی محفل میں بیان کیا، شخصیت سازی کے لیے ایک مکمل درس ہے۔

فَأَشْهَدُ بِاللهِ تَعَالَى لَقَدْ رَأَيْتُهُ فِي بَعْضِ مَوَاقِفِهِ وَقَدْ أَرْخَى اللَّيْلُ سُجُوفَهُ وَغَارَتْ نُجُومُهُ وَقَدْ مَثَلَ فِي مِحْرَابِهِ قَابِضًا عَلَى لِحْيَتِهِ يَتَمَلْمَلُ تَمَلْمُلَ السَّلِيمِ وَيَبْكِي بُكَاءَ الْحَزِينِ فَكَأَنِّي أَسْمَعُهُ يَقُولُ: يَا دُنْيَا يَا دُنْيَا أَبِي تَعَرَّضْتِ أَمْ بِي تَشَوَّقْتِ، هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ غُرِّي غَيْرِي، قَدْ بَتَتُّكِ ثَلَاثًا، لَا رَجْعَةَ لِي فِيكِ، فَعُمْرُكِ قَصِيرٌ وَعَيْشُكِ حَقِيرٌ وَخَطَرُكِ كَبِيرٌ، آهِ مِنْ قِلَّةِ الزَّادِ وَبُعْدِ السَّفَرِ وَوَحْشَةِ الطَّرِيقِ۔ (40)

"پس میں اللہ تعالیٰ کی گواہی دے کر کہتا ہوں کہ میں نے انہیں (حضرت علیؓ کو) بعض مقامات پر دیکھا کہ جب رات نے اپنے پردے لٹکا دیے تھے اور ستارے ڈوب چکے تھے، وہ اپنے محرابِ عبادت میں اپنی داڑھی مبارک کو پکڑے ہوئے اس طرح تڑپ رہے تھے جیسے سانپ کا ڈسا ہوا تڑپتا ہے، اور کسی غمزدہ انسان کی طرح رو رہے تھے۔ (ضرار کہتے ہیں) گویا میں اب بھی انہیں یہ کہتے ہوئے سن رہا ہوں: 'اے دنیا! اے دنیا! کیا تو میرے سامنے بن سنور کر آئی ہے؟ یا تجھے میرا اشتیاق ہے؟ دور ہو، دور ہو! کسی اور کو جا کر دھوکہ دے۔ میں نے تجھے تین طلاقیں دے دی ہیں (تجھ سے قطعی ناطہ توڑ لیا ہے)، جن کے بعد رجوع کی کوئی گنجائش نہیں۔ تیری عمر مختصر ہے، تیری زندگی حقیر ہے اور تیرا خطرہ بہت بڑا ہے۔ ہائے! زادِ راہ کی کمی، سفر کی طوالت اور راستے کی وحشت کا کیا بنے گا"

یہ قول شخصیت کو مادی کشش سے آزاد کرنے کا پیغام دیتا ہے۔ جب انسان دنیا کو اپنے دل سے نکال دیتا ہے، تو وہ حرص اور خود غرضی کی قید سے آزاد ہو کر سچی انسانیت کے درجے پر فائز ہوتا ہے۔ نواسہ رسول ﷺ نے اپنی زندگیوں

سے ثابت کیا کہ حق کی خاطر مادی اقتدار اور جان کی قربانی دینا ہی شخصیت کی معراج ہے۔ امام حسنؓ نے امت کی وحدت اور مسلمانوں کا خون بہنے سے بچانے کے لیے خلافت سے دستبرداری اختیار فرمائی۔

ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ المُسْلِمِينَ(41)

"میرا یہ بیٹا سردار ہے، اور امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کروادے گا۔"

امام حسنؓ کا یہ عمل "اقتدار کی ہوس" (جو مادیت کی انتہا ہے) کے خلاف عظیم سبق ہے۔ آپؓ نے ذاتی مفاد کو اجتماعی امن پر قربان کر کے شخصیت سازی کا ایک نیا رخ پیش کیا۔ معرکہ کربلا میں امام حسینؓ نے مادی قوت کے سامنے سر جھکانے کے بجائے شہادت کو ترجیح دی۔ آپؓ کی قربانی یہ سکھاتی ہے کہ شخصیت کی تعمیر میں "اصول" اور "ایمان" کی اہمیت مادی زندگی سے کہیں زیادہ ہے۔ خود غرضی کے دور میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا ایثار کی آخری حد ہے۔

نتائج

دین بیزاری ایک فکری بحران ہے، محض اخلاقی کمزوری نہیں۔ تحقیق سے واضح ہوا کہ پاکستانی معاشرے میں دین سے دوری صرف عبادات کی کمی کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک گہرا فکری و نظریاتی انحراف ہے، جسے جدید سیکولر فضا نے مزید تقویت دی ہے۔ مذہب کو ''آفاقی حقیقت'' کے بجائے ''اختیاری انتخاب'' بنادینے سے شخصیت کی فکری مرکزیت منتشر ہو گئی ہے۔ جدید تعلیمی اداروں میں اسلامی تعلیمات کی عدم واقفیت نوجوانوں کو فکری تشکیک اور الحاد کی طرف مائل کرتی ہے۔ جب ذہن مثبت دینی علم سے خالی ہو تو منفی نظریات آسانی سے جگہ بنا لیتے ہیں۔ مادیت پرستی شخصیت کی روحانی و اخلاقی بنیادوں کو کمزور کرتی ہے۔ مادہ پرستی انسان کو "Being" کے بجائے "Having" کی دوڑ میں مبتلا کر دیتی ہے، جس کے نتیجے میں ایثار، ہمدردی، اور اجتماعی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے، اور فرد خود غرضی اور بے چینی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اشرافیہ کا کردار معاشرتی رجحانات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جب معاشرے کی قیادت خود عملی طور پر مادیت اور لادینیت کو اختیار کرے تو عوام میں بھی دین کی ساکھ کمزور پڑ جاتی ہے۔ نبوی ﷺ منہجِ تربیت ایک جامع حل فراہم کرتا ہے۔ سیرتِ نبوی ﷺ میں ایمان کی حلاوت، علمِ نافع، استقامت، قناعت، ایثار اور اخوت جیسے اصول وہ بنیادیں ہیں جو شخصیت کو فکری انتشار اور مادیت کے غلبے سے محفوظ رکھتی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیاں عملی ماڈل ہیں۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور ائمہ اہل بیتؓ کی زندگیاں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ ایمان پر مبنی شخصیت مادی ترغیبات پر غالب آسکتی ہے۔

سفارشات

تعلیمی نصاب میں دینی و اخلاقی تربیت کا انضمام:

جامعات اور تعلیمی اداروں میں ایسا نصاب متعارف کروایا جائے جو دینی علم کو جدید علوم کے ساتھ مربوط کرے، تاکہ طلبہ فکری تشکیک سے محفوظ رہ سکیں۔

نبوی ﷺ منہجِ تربیت کو عملی ماڈل کے طور پر اپنانا:

تعلیم و تربیت کے نظام میں ایمان کی حلاوت، استقامت، قناعت اور ایثار جیسے نبوی اصولوں کو عملی سرگرمیوں، ورکشاپس اور کردار سازی پروگرامز کے ذریعے شامل کیا جائے۔

علمی و فکری مکالمے کا فروغ:

نوجوانوں کے لیے ایسے فورمز قائم کیے جائیں جہاں وہ مذہب، سائنس اور جدید نظریات پر تنقیدی اور مدلل گفتگو کر سکیں، تاکہ مذہب کو "کمزور انتخاب" کے بجائے "معقول حقیقت" کے طور پر سمجھا جا سکے۔

رول ماڈلز کی تشکیل اور پیشکش:

صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کی زندگیاں جدید انداز میں پیش کی جائیں تاکہ نوجوانوں کو عملی نمونے میسر آئیں۔

مادیت پرستی کے مقابلے میں قناعت اور ایثار کی تعلیم:

معاشرتی سطح پر ایسے پروگرامز ترتیب دیے جائیں جو سادگی، خدمتِ خلق اور اجتماعی بھلائی کو فروغ دیں، مثلاً سوشل ویلفیئر، رضاکارانہ خدمات، اور زکوٰۃ و صدقات کے شعور کو عام کرنا۔

میڈیا کا مثبت کردار:

میڈیا اور سوشل میڈیا کو چاہیے کہ وہ مادہ پرستی اور نمود و نمائش کے بجائے اخلاقی اقدار، روحانیت اور سادہ طرزِ زندگی کو فروغ دے۔

اشرافیہ اور قیادت کی اصلاح؛

معاشرتی قیادت کو چاہیے کہ وہ اپنے طرزِ عمل سے دینی و اخلاقی اقدار کی عملی مثال پیش کرے، کیونکہ ان کا کردار عوام کے رویوں پر براہِ راست اثر انداز ہوتا ہے۔

* * * * * * * *

(1)عبدالباقی، محمد فؤاد۔ .(1996) المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم(مادہ: ذھ ب، ص340). قاہرہ: دارالحدیث۔

(2)الزبیدی، محمد مرتضیٰ۔(1306ھ) .تاج العروس من جواہر القاموس(فصل الذال من باب الباء، ج33، ص31). بیروت، لبنان: منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ۔

(3)حیات، عابدہ، ورضا، محمد حامد۔(2017، جون). مغرب میں مذہب کے آغاز وارتقاء کا تصور: تجزیاتی مطالعہ۔ القلم، ص2۔

(4) Durkheim, E. (1964). The elementary forms of religious life (J. W. Swain, Trans.). George Allen & Unwin. (Original work published 1915, French edition published 1912). p. 1.

(5)القرآن الکریم.(سورۃ الفاتحۃ:4).

(6)أنیس، إبراہیم۔(1372ھ) .المعجم الوسیط(ص307).ایران: نشروفرہنگ اسلامی۔

(7)مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ .(1983) خطبات(34ویں اشاعت، ص113).لاہور: اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ۔

(8)بٹ، شہزادہ ایم۔ابتدائے مذہب(ص2).لاہور: پنجاب ریلیجئس بک سوسائٹی۔

(9)البخاری، محمد بن إسماعیل۔(1422ھ) . صحیح البخاری .کتاب الأدب، باب حسن الخلق والسخاء وما یستحیی منہ (حدیث6035).

(10)الترمذی، محمد بن عیسیٰ۔(د.ت.) .سنن الترمذی .أبواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی حسن الخلق(حدیث2002).

(11)مسلم بن الحجاج۔(د.ت.) . صحیح مسلم .کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تفسیر البر والإثم(حدیث6517).

(12)مالک بن أنس۔(د.ت.) .موطا الإمام مالک .کتاب حسن الخلق، باب ماجاء فی الحیاء(حدیث1635).

(13)قریشی، ساجدہ محمد، الطاف، عدیل الحسن، وبخش، سحر اللہ۔(2024). پاکستانی جامعات میں الحاد کی ترویج کے اسباب اور ان کا تدارک(اسلام آباد کی جامعات کا اختصاصی مطالعہ) .الھدایۃ،6(1)،82۔

(14)خان، محمد فاروق۔ .(1987) مادیت اور روحانیت .لاہور: اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ۔

(15)نذیر، مبشر۔ .(2017) الحاد جدید کے مغربی اور مسلم معاشروں پر اثرات(ص12–13). کراچی: جامعہ کراچی۔

(16)ندیم، خورشید۔(2023، اکتوبر24). مذہب بیزاری کیوں پیدا ہوتی ہے؟روزنامہ دنیا .تاریخِ استفادہ:29دسمبر2025۔
HTTPS://DUNYA.COM.PK/INDEX.PHP/AUTHOR/KHURSHEED-NADEEM/2023-10-24/45820/75890888

(17) Taylor, C. (2007). A secular age (p. 3). Belknap Press of Harvard University Press.

(18) البخاری، محمد بن إسماعیل۔(1422ھ) . صحیح البخاری .دار طوق النجاۃ.(حدیث16).

(19)مسلم، ابن الحجاج۔(د.ت.) . صحیح مسلم .دار إحیاء التراث العربی.(حدیث38).

(20)الحاکم، محمد بن عبداللہ النیسابوری۔ .(1990) المستدرک علی الصحیحین(ج3، ص201، حدیث4904).بیروت: دارالکتب

العلمیۃ۔

(21)خان، محمد وسیم، و الرحمن، محبوب۔ (2024). امت مسلمہ کے زوال میں مادیت پرستی کا حصہ: تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ۔ Pakistan Islamicus: International Journal of Islamic & Social Sciences, 4(4)، 36.44–

(22)مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ .(1969) اسلام اور جدید معاشی نظریات (ص40). لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ۔

(23) Fromm, E. (1976). To have or to be? (p. 12). Bantam Books.

(24)بھٹو، محمد موسیٰ۔ .(2017) مادیت کی دلدل اور بچاؤ کی تدابیر (ص11). حیدر آباد: سہیل سلام۔

(25)خان، محمد فاروق۔ .(1987) مادیت اور روحانیت (ص12). لاہور: اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ۔

(26)ندوی، سید ابوالحسن علی۔ .(1972) معرکہ ایمان و مادیت (ظہیر احمد کاکوروی، کاتب؛ ص70). کراچی: مولائی پرنٹنگ پریس۔

(27)قاسمی، محب اللہ۔ (2014، مارچ). مادہ پرستی کے اثرات ہمارے اخلاق پر۔ ماہنامہ زندگیِ نو. تاریخِ استفادہ: 2 جنوری 2025۔
HTTPS://ZINDAGIENAU.COM/مادہ-پرستی-کے-اثرات-ہمارے-اخلاق-پر/

(28)البخاری، محمد بن إسماعیل۔ (1422ھ) . صحیح البخاری (ج8، ص89). کتاب الرقاق، حدیث 6416.

(29)البخاری، محمد بن إسماعیل۔ (1422ھ) . صحیح البخاری (ج8، ص93). کتاب الرقاق، حدیث 6436.

(30)القرآن الکریم. (سورۃ الحشر: 59)

(31)مسلم بن الحجاج۔ (د.ت.) . صحیح مسلم (ج3، ص1624). کتاب الأشربۃ، حدیث 2054.

(32)البخاری، محمد بن إسماعیل۔ (1422ھ) . صحیح البخاری (ج2، ص79). کتاب الجنائز، حدیث 1276.

(33)البخاری، محمد بن إسماعیل۔ (1422ھ) . صحیح البخاری (ج1، ص15). کتاب الإیمان، حدیث 30.

(34)الترمذی، محمد بن عیسیٰ۔ .(1998) الجامع الکبیر (سنن الترمذي) (بشار عواد معروف، محقق؛ ج4، ص155). بیروت: دار الغرب الإسلامی. (حدیث 2336).

(35)البخاری، محمد بن إسماعیل۔ (1422ھ) . صحیح البخاری (ج8، ص95). کتاب الرقاق، حدیث 6446.

(36)البخاری، محمد بن إسماعیل۔ (1422ھ) . صحیح البخاری (ج1، ص12). کتاب الإیمان، حدیث 13.

(37) أبو داود، سلیمان بن الأشعث۔ (د.ت.) . سنن أبي داود (محمد محیي الدین عبد الحمید، محقق؛ ج2، ص129). بیروت: المکتبۃ العصریۃ. (حدیث 1678).

(38)الحاکم، محمد بن عبداللہ۔ .(1990) المستدرک علی الصحیحین (مصطفی عبدالقادر عطا، محقق؛ ج1، ص130). بیروت: دار الکتب العلمیۃ. (حدیث 207).

(39)البخاری، محمد بن إسماعیل۔ (1422ھ) . صحیح البخاری (ج4، ص13). کتاب الوصایا، حدیث 2778.

(40)الألوسی، شہاب الدین محمود بن عبد اللہ الحسینی۔(1301ھ) .الأجوبۃ العراقیۃ علی الأسئلۃ اللاھوریۃ(ص50). بغداد: مطبعۃ الحمیدیۃ.

(41)البخاری، محمد بن إسماعیل۔(1422ھ) . صحیح البخاری(ج3،ص186).کتاب الصلح،حدیث2704.